AL-JAMEI Research Journal
ISSN (Print) 3006-4775 (Online) 3006-4783

https://aljamei.com/index.php/ajrj

Maulana HUSSAIN ALI'S Exegetical Perspectives and Trendsin Quranic Coherence &his adopted principals.

مولانا حسین علی الوانی کی تفسیری آراء کے تناظر میں نظم قرآنی کے اصول

Dr. Muhammad Bilal

Lecturer, department of Islamic studies , University of education Lahore,jauharabad campus

Email: muhammad.bilal@ue.edu.pk

Dr Hafiz Abdul Majeed

Assistant Professor, Department of Islamic studies &amp, Arabic, Gomal University D.I. Khan.

Email: drham1973@gmail.com

Abstract

This study explores the exegetical perspectives and interpretive trends of Maulana Hussain Ali with particular emphasis on his approach to *nazm al-Qur'an* (Qur'anic coherence). As a prominent exegete, Maulana Hussain Ali highlighted the thematic interconnection of Qur'anic verses and surahs, seeking to present the Qur'an as a unified discourse rather than a fragmented collection of injunctions. His methodology reflects a balance between classical tafsīr traditions and modern interpretive demands, drawing on linguistic precision, contextual analysis, and theological insight. The paper examines the principles he adopted, including the primacy of coherence in meaning, the interrelation of Makkan and Madinan revelations, the contextual unity of surahs, and the ethical-spiritual objectives underlying Qur'anic discourse. By analyzing his exegetical contributions, this research underscores Maulana Hussain Ali's role in advancing a systematic understanding of Qur'anic coherence and situates his work within the broader trajectory of Qur'anic studies in the modern era.

Keywords: Maulana Hussain Ali, Qur'anic coherence, *Nazm al-Qur'an*, exegesis, tafsīr principles, thematic unity, classical and modern interpretation.

قرآن مجید اللہ کی لاریب کتاب ہے جس کا متن اپنے اندر ان گنت علمی رکاز چھپائے ہوئے ہے۔ ہر دور کے سعداء اس بحر تلاطم میں غوطہ زنی

کر کے علمی مخازن تک رسائی بتوفیق الھیٰ پاتے رہتے ہیں۔ قرآن مقدس چونکہ کتاب سے موسوم ہے،اس لئے بظاہر اس کے متن کا باہم مربوط ہونا لازم آتا ہے۔ تاہم یہی وہ نکتہ ہے جس اہل عرب کو تحدی دی اور وہ لاجواب رہے، کہ بظاہر غیر مربوط نظر آنے والی کتاب اپنے مضامین کی یکجائت کا ایک خوبصورت بندھن رکھتی ہے جیسے موتیوں کا ہار ہو۔ قرآن کریم کے اس ارتباط کو مفسرین نظم اور ربط کی اصلاحات سے یاد کرتے ہیں۔ اس مزاج کے مفسرین ویسے تو سینکڑوں میں پائے جاتے ہیں، تاہم برصغیر پاک وہند میں یہ سہرا جن جبینوں پر سجا ہے ان میں ایک پندھرویں صدی عیسوی کے مفسر مولانا حسین علی الوانیؒ ہیں۔

تعارف مفسر: مولانا حسین علیؒ 1283ھ بمطابق 25مارچ 1867ء کو واں بھچراں ضلع میانوالی پنجاب میں متولد ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد تھا جو حافظ قرآن تھے ابتدائی تعلیم والد سے اور مولانا غلام نبی و مولانا سلطان احمد سے حاصل کی۔ 18 سال کی عمر میں ہندوستانکا سفر اختیار کرکے مولانا رشید احمد گنگوہی و مولانا مظہر نانوتویؒ سے تفسیر پڑھی۔[1]

آپؒ نے علمی اعتبار سے فن تفسیر قرآن اور تصوف وسلوک میں بلند مقام پایا،اس کا سبب آپ کی سرشت میں ادب و اخلاص کا پایا جانا تھا۔ آپ جب مدرسہ دیوبند پہنچے تو داخلہ جات تمام ہو چکے تھے،البتہ مولانا گنگوہیؒ اپنی بصیرت ایمانی سے ان کی استعداد علمی کا ادراک کر گئے اور حضرتؒ کو داخلہ دے دیا،بعد ازاں اپنا ذاتی نسخہ کتب بھی حوالے کر دیا۔ دوران درس سبق کا پڑھنا بھی آپ کے ذمہ تھا،دورہ حدیث میں اول آئے، حضرت گنگوہیؒ نے بہت دفعہ آپؒ کو تعریفی کلمات سے یاد فرمایا ہے،اس دورہ میں بارہا فرمایا یہ دورہ اس پنجابی مولوی(حسین علی) کے لئے پڑھا رہا ہوں۔ حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد پر سہارن پور کا رخ کر کے مولانا مظہر نانوتویؒ سے ترجمہ و تفسیر کا علم حاصل مظاہر العلوم پہنچے، یہاں سالانہ امتحان میں اول رہے اور حضرت نانوتویؒ کی خصوصی توجہ پانے میں کامیاب رہے۔[2]

مظاہر العلوم سے فراغت کے بعد کانپور کا سفر اختیار فرما کر،اس دور کے ماہر فنون عالم مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے فلسفہ،منطق اور فنون کی کتب جیسے: حمد اللہ، قاضی مبارک،امور عامہ،عبد الغفور، متن متین اور فتح القدیر جیسی بیس کتب ایک سال میں پڑھیں اور امتحان میں اول رہے۔

سلسلہ بیعت میں خواجہ عثمان دامانیؒ کی خدمت عالیہ میں موسیٰ زئی شریف پہنچے،اور خلعت خلافت سے نوازے گئے۔ یہ اشارہ بصورت رویت نومی ہوا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ خواجہ عثمان دامانیؒ نے اپنے بیٹے خواجہ سراج الدینؒ کو ان سے دورہ تفسیر پڑھنے بھیجا۔ حضرت مولانا حسین علیؒ نے اپنی تفسیر کے آغاز میں جو اجازت نامے درج کئے ہیں،ان میں حضرت کے لئے تعریفی کلمات نے ان کے مقام کو شیخ کی نظر میں واضح کر دیا ہے۔[3]

وفات:

علم وحکمت کا یہ روشن مینار مارچ 1944 میں واصل بحق ہوا، مولانا غلام اللہ خانؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اپنی مسجد کے سامنے دفن ہوئے۔

1۔) تفسیر بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان (اردو)۔2۔البیان فی ربط القرآن (اردو)۔ 3۔ تلخیص الطحاوی (عربی)۔)4۔برہان التسلیم۔۔5۔رسالہ مسئلہ علم غیب۔(اردو)۔6 تفنیچہ۔(اردو)۔7۔رسالہ مسئلہ علم غیب۔(اردو)۔)8۔تحفہ ابراھیمیہ (فارسی)9۔ حواشی فؤاد عثمانی(فارسی)۔

مذکورہ بالا کتب میں مشہور ترین تفسیر بلغۃ الحیران ہے۔

مولانا حسین علیؒ کے تفسیری افادات کا مجموعہ ہے،،یہ مستقل تصنیف نہیں ہے۔ اس کو آپ کے شاگردان رشید مولانا غلام اللہ خان،اور مولانا نذر محمد جو کالویؒ نے جمع کیا ہے،البتہ اس میں جابجا خلاصہ،ربط اور عربی عبارات وہ تمام تر حضرتؒ کے قلمی مسوادات سے نقل کی گئی ہیں یہ ایک مختصر تفسیر ہے جو عربی اردو اور فارسی عبارات سے مزین ہے،اسکی زبان سادہ ہے،اس میں جگہ جگہ علامہ خازن وعلامہ رضی کے حوالہ جات ہیں،ابتدا

میں ایک فتویٰ بھی درج ہے جو شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی طرف منسوب ہے، اس کے بعد اس میں اجازت نامے ہیں۔[4]

دلچسپ امر یہ ہے حضرت کے مرشدؒ اور انکے مرشد کی مہریں بھی موجود ہیں جو اس زمانے کے فنون لطیفہ کی مظہر ہیں، یہ اس عصر کے قلمی رواج کا عکس ہیں۔ تفسیر سورتوں کی ترتیب توقیفی کے حساب ہے، البتہ مقدمہ انتہائی مختصر و جامع ہے،

اس تفسیر کو سمجھنے کے لئے گہرے مربوط مطالعہ کی ضرورت ہے، تفسیر کے مضامین اور مندرجات کو حسب ذیل نکات میں بیان کیا جاتا ہے۔

مولانا حسین علی الوانیؒ کے تفسیری اصول سمجھنے سے قبل لفظ اصول کی لغوی و اصطلاحی تعیین اس امر کو مزید آسان تر بنادے گی۔

اُصول کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ:

اصول عربی زبان کا لفظ ہے، جو اصل سے ماخوذ ہے، اس کا مادہ ا، ص، ل ہے۔ اصول کے لغوی معانی کی تعیین سے قبل اصل کے لغوی معانی بیان کرنا اس بحث کی بنیاد سمجھنے میں مدد دے گا۔

اصل بمعنی اسفل: عربی کی مشہور لغات نے اصل کے دیگر معانی کے ساتھ ساتھ ایک معنی اس کا کسی چیز کا نشیبی حصہ ہونا مراد لیا ہے، جیسے درخت کی جڑ وغیرہ، چونکہ جڑ درخت کی بنیاد ہوتی ہے، اس لئے اسے اصل الشجرۃ کہا جاتا ہے۔

اس معنی پر اگر غور کیا جائے تو ادراک ہوتا ہے، کہ اصل کسی شے کا نقطہ آغاز ہوتا ہے، اور وہ مرکزہ اس کے پیندے اور تہ میں ہوتا ہے، تاکہ وہ شے کسی حملہ کی صورت میں اپنا مرکز قوت و آغاز کھو نہ دے اور ختم نہ ہو جائے۔ خلیل بن احمد فراہیدیؒ نے اس کا ان معانی میں تعیّن کیا ہے۔

"أصل: واستَأْصَلَتْ هذه الشَّجَرةُ أي ثَبَتَ » أصلُها. واستَأْصَلَ اللهُ فلاناً أي لم يَدَعْ له أصلاً. ويقال: إنَّ النَّخْلَ بأرضنا أصيلٌ أي هو بها لا يَفْنَى ولا يَزول. وفلانٌ أصيلُ الرأيِ، وقد أَصُلَ رأيُه أَصالةً، و إنّه لأصيلُ الرأيِ والعَقْل. [والأصلُ أسفَلُ كُلِّ شيءٍ]۔ "[5]

اصل کہتے ہیں مضبوطی کو، جیسے کہا جاتا ہے استاصلت هذه الشجرة، یعنی ثبت، یہ درخت مضبوط جڑوں والا ہے، اسی طرح کسی آدمی کی قوت کا بیان بھی استاصل کے لفظ سے ظاہر کیا جاتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے، ہماری زمین کے کھجور کے درخت توانا و قوی ہیں، یعنی وہ فنا اور زوال سے بچے ہوئے ہیں۔ اور فلاں آدمی پختہ رائے کا مالک ہے۔ یعنی گہری سوچ اور ضبط عقل کا مالک ہے، جو پختہ رائے کی بنیاد ہے۔ اسی طرح اصل کہتے ہیں ہر چیز کے نچلے حصہ کو جو اکثر بنیاد ہوتا ہے اس شے کی۔ جیسے بیج اور شجر کا رشتہ ہے۔ قرآن مجید کی تماثیل میں ایک جگہ یہ ارشاد ہوا ہے:

" أَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ ضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلٗا كَلِمَةٗ طَيِّبَةٗ كَشَجَرَةٖ طَيِّبَةٍ أَصۡلُهَا ثَابِتٞ وَفَرۡعُهَا فِي ٱلسَّمَآءِ[6]"

اس آیت میں اصلھا اور ثابت کا باہمی رشتہ ہمارے دعویٰ کا اثبات ہے۔ اس طرح اصل کے دو معانی کی تعیین ہو چکی۔ 1۔ اصل بمعنیٰ پختہ اور مضبوط، 2۔ اصل بمعنیٰ اساس اور اسفل الشئ۔

اس تعریف میں اصل کی مطلوبہ حالت اصول کا پتہ چلتا ہے، الف مرفوع کے ساتھ۔ صاحب مصباح المنیر نے ان معانی کا تعیّن اس طرح کیا ہے:

"(أَصَلَ): أَصْلُ الشَّيْءِ أَسْفَلُهُ وَأَسَاسُ الْحَائِطِ أَصْلُهُ وَاسْتَأْصَلَ الشَّيْءَ ثَبَتَ أَصْلُهُ وَقَوِيَ ثُمَّ كَثُرَ حَتَّى قِيلَ أَصْلُ كُلِّ شَيْءٍ مَا يَسْتَنِدُ وُجُودُ ذَلِكَ الشَّيْءِ إلَيْهِ فَالْأَبُ أَصْلٌ لِلْوَلَدِ وَالنَّهْرُ أَصْلٌ لِلْجَدْوَلِ وَالْجَمْعُ: أُصُولٌ۔"[7]

کسی شے کی اصل سے مراد ہے، اس کا نشیب اور اسکی اساس اور بنیاد، جیسے حائط کی بنیاد اس کی اصل کہلاتی ہے، کسی شے کا متاصل ہونا اس کو ثابت اور قوی بناتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ، جیسے باپ بیٹے کے لئے اصل یعنی بنیاد کا درجہ رکھتا ہے۔ اور نہر یا دریا کا نقطہ آغاز اس کے پیٹ کے لئے اصل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور اس کی جمع اصول آتی ہے۔

مذکورہ تعریف نہایت جامع ہے، جس میں اصول کا ماخذ اصل کو قرار دیا جارہا ہے، اوراصل بمعنیٰ اساس اور بنیاد (base) کے ہے۔یہی معنی فیروزآبادی نے بھی بیان کئے ہیں۔[8]

اصل کا لفظ اپنے اندر لغوی اعتبار سے کئی ایک معانی کو جگہ دئے ہوئے ہے، جن میں سے چند ایک کا بیان قاری کو متنوع معلومات فراہم کرے گا۔ اصل بمعنیٰ حسب ونسب، سانپ کی ایک خطرناک قسم، وقت کا ایک خاص دورانیہ۔

"الاصل، الحسب والفصل ، اللسان۔۔والاصلة بالتحریک جنس من الحیّات، وھی اخبثھا۔۔۔وفی الحدیث فی ذکر الدجال!کان راسه اصلة۔"[9]

اصل کا لفظ انسان کے حسب کے بیان کے لئے آتا ہے، اور فصل کا لفظ انسان کی زبان دانی کو ظاہر کرتا ہے، جبکہ الاصلة یہ سانپوں کی ایک نسل ہے، جو اپنے مہلک ہونے میں سب سے زیادہ خبیث ہے۔ جیسے حدیث مذکور لبیان الدجال میں اس کے سر کو اسی سانپ کی مانند کہا گیا، جو سب سے زیادہ اخبث ہے۔

شیخ احمد بن فارس نے اصل کے لغوی معانی اس طرح بیان کئے ہیں:

"(أَصَلَ) الْهَمْزَةُ وَالصَّادُ وَاللَّامُ، ثَلَاثَةُ أُصُولٍ مُتَبَاعِدٍ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ، أَحَدُهَا: أَسَاسُ الشَّيْءِ، وَالثَّانِي: الْحَيَّةُ، وَالثَّالِثُ: مَا كَانَ مِنَ النَّهَارِ بَعْدَ الْعَشِيِّ.أصل: الأصلُ: أصل الشيء.

قال الكسائي: قولهم: لا أصل له ولا فصل، الأصل الحسبُ، والفضل اللسان.

ومجد أصيل: [ذو أصالة] .

والأصلة: حية عظيمة.

وفي ذكر الدجال: كأن رأسه اصلة."[10]

لفظ اصل کے حوالے سے تین مباحث سامنے آتے ہیں، 1۔ کسی شے کی بنیاد، 2۔ سانپ 3۔ دن کا وہ حصہ جو عشاء کے بعد ہے۔

امام کسائی نے کہا: اس جماعت کا قول ہے، فلاں آدمی کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی فضیلت، مطلب اس کا یہ ہے، کہ اصل سے مراد حسب ہے یعنی وہ کوئی اچھے قبیلے سے نہیں ہے، اور فضل سے مراد اس کی زبان ہے، اور فلاں آدمی مجد اصیل یعنی بڑے حسب ونسب اور رائے والا ہے۔ اور اصلۃ کہتے ہیں، بڑے سانپ کو، جس کی تائید حدیث دجال سے ہوتی ہے۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے اصل بمعنی سانپ کے فرمایاہے۔

صاحب اساس البلاغۃ نے الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ یہی معانی بیان فرمائے ہیں۔"[11]

صاحب مختار الصحاح نے بھی اس کو اسی طرح بیان کیاہے۔[12]

عربی زبان کی یہ خوبی ہے، کہ اس کا ایک ایک لفظ اپنے اندر بیان کی کئی جہتیں سموئے ہوئے ہے، اس لئے اس کے لغوی معانی میں سے کسی ایک کا انتخاب اور دیگر کو ترک کرنا ایک حکمت والا کام ہے۔ چنانچہ یہاں پیش کئے گئے اصول کے لغوی معانی تو بیان کر دئے گئے، اس کا مقصودی پہلو جو اس کے اصطلاحی معانی کا تعیّن کرنے میں مددگار ہو گا، وہ ہے اساس الشئی، اصیل الرائ یعنی محکم بنیاد۔

اسفل الشئی، جس پر کسی چیز کی بنیاد ہو، وہ چیز اس وجود کا اصل کا درجہ رکھتی ہے۔ باقی معانی اسی کی تفصیل معلوم ہوتے ہیں۔

جیسے اصل،الحسب،اب غور کیا جائے تو آدمی کا وجود اس کے حسب کا مرہون منت ہے،اور یہی حسب اس کا اسفل بھی ہوتا ہے۔

رہا اس کا معنیٰ ایک خاص زہریلا سانپ جو لفظ اصلتہ سے ہے،یہ ایک نادر معنی ہے،البتہ اگر سانپوں کی قسموں پر تحقیق کی جائے تو اس کے اس نام کی حکمت میں ضرور اس کا تعلق اس کے بنیادی معنی اساس،الحسب،ثبت الشجرۃ،وغیرہ سے مطابقت ظاہر کرے گا۔

اصول کے اصطلاحی معنی: عربی کی مشہور لغت المنجد میں اصل کی اصطلاحی تعریف اس انداز سے کی گئی ہے:

"اصل: جڑ،وہ چیز جو فرع کے مقابل ہو،والد،مصدر،منبع،مافعلتہ اصلا،اصول والاصیول: وہ قوانین جن پر کسی علم یا فن کی بنیاد ہوتی ہے۔"[13]

گویا اصول ان مجموعہ ہائے قوانین کا نام ہے،جس پر اس علم یا فن کا وجود قائم ہے۔

مولانا وحید الزمان کیرانویؒ نے اصول کی اصطلاحی تعریف اس طرح بیان فرمائی ہے:

"وہ قواعد وضوابط اور وہ اصول ومبادی جن سے احکام نکالے جائیں۔"[14]

اصول دراصل فروعات کی بنیاد ہیں،جیسے درخت کا بیج تو زیرزمین ہوتا ہے،اس کی فروعات باہر ہوتی ہیں،اگر اصل (بیج) ہی ختم ہو جائے تو باقی پیڑ بھلا کیسے قائم رہ سکتا ہے۔

علامہ جرجانیؒ نے اس کی خوب وضاحت سے تعریف بیان فرمائی ہے:

"الاصل:ھو ما یبنیٰ علیه غیرہ۔الاصول:جمع اصل،وھو فی اللغة:عبارة عما یفتقر الیه ولا یفتقرہ الیٰ غیرہ،وفی الشرع،عبارة عما یبنیٰ علیه غیرہ،ولا یبنیٰ ھو علیٰ غیرہ،والاصل :مایثبت حکمه بنفسهٖ ویبنیٰ علیٰ غیرہ،"[15]

اصل وہ ہے جس پر کسی اور شے کی بنیاد ہو،یعنی وہ وجود اس کے علاوہ ہو،اصول جمع ہے اصل کی،اور لغت میں اس پر بولا جاتا ہے جسے کسی کا احتیاج نہ ہو،البتہ دوسروں کو اس کا احتیاج ہو،اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ چیز جس پر اس کے غیر اشیاء کی بنیاد ہو،جبکہ یہ کسی پر انحصار نہ کرے،اور اصل وہ ہے،جو بنفسہٖ قائم ہو،اور دوسری چیزوں کی بناء اس پر قائم ہو۔

اصول اپنا وجود قائم رکھنے میں محتاج نہیں ہوتے،جبکہ ان کی فروعات کے لئے ان کا رہین منت ہونا لازم ہوتا ہے۔

صاحب کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

"الاصول:جمع اصل ،اھل العروض یریدون بھا ما تترکب منه الارکان وھی ای الاصول ثلاثة:الوتد والسبب والفاصله۔۔۔اصول الدین:ھو علم الکلام،ویسمیٰ بالفقه الاکبر،وکذاٰ اصول الحدیث،واصول الفقه۔"[16]

اصول اصل کی جمع ہے،جسے علم العروض والے مراد لیتے ہیں،ان ارکان کو جس پر اس علم کی ترکیب ہے،وہ اصول (ارکان) تین ہیں،1۔وتد 2۔سبب 3۔فاصلہ (اصول الدین سے مراد ہے،علم الکلام جسے فقہ اکبر بھی کہا جاتا ہے،اسی طرح اصول حدیث اور اصول فقہ ہیں،بات وہی ہے،یعنی وہ بنیادیں جن پر کوئی علم منحصر ہو اور اس کا وجود ان کے بغیر اپنی شناخت برقرار نہ رکھ سکے اصول کہلاتی ہیں۔

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی نے اصول کے معانی کا تعیّن احسن انداز میں کیا ہے۔آپ لکھتے ہیں:

اصول کی لغوی تعریف حسی اور معنوی کے اضافہ کے ساتھ بیان کی ہے،اصطلاح میں اصول کی پانچ تعریفیں اس طرح بیان کی ہیں،کہ اصول کے معانی پانچ قسم پر مشتمل ہیں۔

1۔یہ فقہی اصطلاح ہے جس کے معنی دلیل کے ہیں،جیسے کہا گیا،نماز کے بارے اصل،بمعنیٰ دلیل،وہ ہے قرآن وسنت۔

2۔دوسرے معانی اس کے ہیں قاعدہ کلیہ ہے،جیسے اسلام کے اصول خمسہ میں سے ایک ہے ولا ضرر ولا ضرار۔

3۔ تیسرے معانی اصول کے ایک رائے کو غالب ماننے کے ہیں۔

4۔ اصول کہتے ہیں اس حالت کو جس پر قیاس کیا جائے، جیسے نبیذ کی حرمت کو شراب پر قیاس کیا گیا ہے، اس طرح شراب اصل ہو گئی نبیذ کی اور نبیذ اس کی فرع۔"[17]

ایک معنی اس کا المستحصب ہے، یہ بھی فقہی اصطلاح ہے۔

ان تعریفات میں ہمارے مقصودی پہلو سے متعلق اس کی دوسری تعریف ہے، یعنی اصول کا صطلاحی معنی ہیں القاعدۃ الکلیۃ کے۔ باقی تعریفات کا تعلق دیگر فنون سے ہے، اب ضمن تفسیر میں قواعد کلیہ عموما اصول تفسیر کہلاتے ہیں، عبد الکریم زیدان نے اصول کی اصطلاحی تعریف قواعد و ضوابط سے کی ہے،"[18]

جب واضح ہو گیا کہ اس اصطلاح کا اعتبار علم اور فن کی نوعیت سے ہے، یعنی فقہ میں اصول سے مراد چیز حدیث اور تفسیر کے اصولوں سے مختلف ہو سکتی ہے، شیخ خالد عبد الرحمان اصول کے لفظ کا تعلق تفسیر سے اس طرح مرتبط کرتے ہیں۔

"الاصول: جمع اصل،۔۔۔ والاصل مایثبت حکمہ بنفسہٖ ویبنیٰ علیٰ غیرہ، وذالک لان علم اصول التفسیر عند الاصولیین ھو مایبنیٰ علیہ التفسیر حسب قواعدہ و مناھجہ۔"[19]

اس تفسیر سے بات واضح ہو گئی، کہ اصول کسی فن کے بنیادی قواعد و ضوابط کا نام ہے، اگر وہ اصول ختم ہو جائیں، تو وہ فن بھی ختم ہو جاتا ہے، جیسے اصول تفسیر اصولیین کے نزدیک وہ بنیاد ہیں جن پر علم تفسیر قائم ہے، قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا شاہکار کلام ہے، جو اپنے مختلف اسالیب کے باعث مخصوص اصولوں کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے، یہ اصول اصول تفسیر کہلاتے ہیں۔

شیخ ابن تیمیہؒ نے اصول تفسیر کی اس طرح تعریف کی ہے۔

"قواعد کلیۃ تعین علیٰ فہم القرآن ومعرفۃ تفسیرہٖ ومعانیہ والتمیز فی معقول ذٰلک ومنقولہٖ بین الحق وانواع الاباطیل والتنبیہ علی الدلیل الفاصل بین الاقاویل۔"[20]

ایسے کلی قواعد جو فہم قرآن میں معاون ہوں، جن سے قرآن کی تفسیر اور مفاہیم کی پہچان حاصل ہو، جن کی بنیاد پر نقلی و عقلی تفاسیر میں حق اور اباطیل کے درمیان امتیاز حاصل ہو، اور مختلف اقوال کے درمیان فیصلہ کن دلیل کا پتہ چل جائے۔

شاہ ولی اللہؒ اصول تفسیر کی تعریف اس انداز سے کی۔

"ھٰذہ القواعد شارعا واسعا فی فھم معانی کتاب اللہ"[21]

یہ وہ قواعد شرعی ہوتے ہیں جن سے قرآن مجید کے معانی و مفہوم کا تعّین ہوتا ہے۔ ان شرعی قواعد کی بنیاد مصادر تفسیر ہیں۔

جیسے خود قرآن، سنت / احادیث نبوی ﷺ، اقوال صحابہ، اقوال تابعین، لغت عرب، عقل سلیم۔[22]

ان مصادر کی روشنی میں وہ اصول طے کئے گئے ہیں، جیسے القرآن یفسر بعضہ بعضا، قرآن مجید کا اسلوب اس کا غماز ہے، ایک جگہ اجمال تو دوسری جگہ اس کی تفصیل بیان کی۔ اسی طرح مطلق و مقیّد اور خاص و عام کے احکام ہیں۔ قرآن مجید کی آیات آپس میں متشابہ ہیں۔ سورہ زمر میں اللہ کا ارشاد ہے۔

" ٱللَّهُ نَزَّلَ أَحۡسَنَ ٱلۡحَدِيثِ كِتَٰبٗا مُّتَشَٰبِهٗا مَّثَانِيَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُودُ ٱلَّذِينَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمۡ وَقُلُوبُهُمۡ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِۚ ذَٰلِكَ هُدَى ٱللَّهِ يَهۡدِي بِهِۦ مَن يَشَآءُۚ وَمَن يُضۡلِلِ ٱللَّهُ فَمَا لَهُۥ مِنۡ هَادٍ"[23]

اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب، کہ اوّل سے آخر تک ایک سی ہے، دوہرے بیان والی، اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں، یہ اللہ کی ہدایت ہے راہ دکھائے اس سے جسے چاہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔

یہ تشابہ دراصل تکرار مضامین ہے، جس کی حکمت سے پردہ اٹھانا مفسر کا کام ہے۔

اسی طرح سورہ اسراء میں اللہ پاک فرماتے ہیں۔

" وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِي هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانِ لِيَذَّكَّرُواْ وَمَا يَزِيدُهُمۡ إِلَّا نُفُورٗا"[24]

اور ہم نے اس قرآن کریم میں (ہر چیز) کو پھیر پھیر کر بیان کیا تاکہ لوگ سمجھ جائیں۔

اس بات کا اشارہ ہے کہ مضامین قرآن میں تکرار ہے۔ قصہ آدم وحواؑ قرآن مجید میں مختلف انداز سے بیان ہوا ہے۔ اس کی صحیح تفہیم اس کے محل سے سمجھی جاسکتی ہے۔ کہیں بنیاد انسان کی حکمت، کہیں توبہ اور اس کا صحیح مفہوم واضح کرنے کے لئے اور کہیں جنت کو بطور وراثت آدمؑ کے بیان کے لئے۔

دوسرا مصدر احادیث نبویہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ قرآن کے اوّل شارح ہیں۔ صحابہ کرام نے آپؐ سے کئی مقامات کی تفسیر دریافت کی۔ اس لئے تفسیر کا ثانوی ماخذ حدیث رسول ﷺ ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نزول قرآن کے عینی شاہدین ہیں۔ ان کے سامنے قرآن اترا ہے۔ اس کی تنقیحات خود ان سے سنداً مروی ہیں۔ ان کے اقوال آثار صحابہ سے معروف ہیں۔ یہ تفسیر کا مستند ماخذ ہیں۔

تابعین اس جماعت کو کہا جاتا ہے، جس کا تلمذ اصحاب سے ہے۔ یہ بھی تفسیر کرتے ہیں، ان کے اقوال تفسیر یہ بھی ماخذ ہیں۔

عربی زبان اپنی گہرائی اور گیرائی میں منفرد و یکتا ہے۔ اس میں ایک لفظ کے اندر کئی ایک معانی و مفاہیم پوشیدہ ہیں۔ جاہلی ادب اس کا بڑا ذخیرہ ہے۔ جس سے استشہاد صحابہ سے بھی منقول ہے۔[25]

اس ترتیب مصادر سے قرآن سے اخذ کرنے میں جمہور کا اتفاق ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ زمانے کے ساتھ ساتھ مصادر میں اضافہ بھی درست ہے۔ جیسے اجتہاد مفسر میں کافی گنجائش ہے۔

پس اصول کے بیان کردہ لغوی معانی میں، اساس الشئ، ایک جامع معنٰی ہے، جو ہمارے موضوع سے مطابقت رکھتا ہے، لغت میں اصول جو جمع ہے اصل کی، کا معنٰی ہے کسی شے کی جڑ اور اساس، جس کے بغیر اس چیز کا وجود ناگزیر ہو جاتا ہے۔

خلاصہ بحث یہ کہ، اصول لغت میں قواعد وضوابط کا مجموعہ ہوتے ہیں، جن پر اس علم کی اساس ہوتی ہے۔

تفسیر بلغۃالحیران میں نظم کے اُصول

تفسیر بلغۃالحیران میں نظم قرآن کی بحث واضح حد تک پائی جاتی ہے، گویا آپ اس ضمن میں مکثرین میں شمار ہوتے ہیں اس ضمن میں۔ نظم قرآن کے بیان میں کار فرما اصولوں کا جاننا، اس علم کی اساسی بحث ہے۔ ایک عمومی اصول جو اب تک کا حاصل مطالعہ ہے، مولانا الوائیؒ کے ہاں نظم قرآن کے اصولوں کو حسبِ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے "ما قبل سے ربط تلاش کیا جاتا ہے،" لیکن چنداں مفسرین مابعد سے بھی ربط پیش

کرتے ہیں۔

سورت کا سورت سے ربط جن جامع اصولوں کی بنیاد پر پیش کیا جاتا ہے، اس کا جائزہ زیریں سطور میں لیا جاتا ہے۔

1)۔ آئندہ سورت ما قبل کا تتمہ کے طور پر مولانا حسین علی الوانیؒ ربط کی تلاش میں ربط سور کے ضمن سورتوں کے باہمی اشتراک پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ اس غور کے نتیجے میں ربط سور کے ضمن میں آپؒ بعض سورتوں کو بعض کا تکملہ قرار دیتے ہیں۔ جیسے سورہ لقمان کو سورہ روم کا تتمہ قرار دیا۔" اس سورت کا ربط ما قبل کے ساتھ یہ ہے، کہ سورت الروم میں یہ تو یہ بیان تھا، کہ اللہ تعالیٰ تم کو فتح دے گا، تم شرک نہ کرنا، اور توحید پر مضبوط رہنا ،اس سورت میں اثبات توحید اور نفی شرک کو بطریق الکمال بیان کیا گیا ہے، معلوم ہوا، کہ یہ سورت الروم کا تتمہ ہے۔"[26]

2۔)سورت آئندہ ترقی کردہ، ما قبل کے مخاطب کی ذہنی سطح کا لحاظ کرتے ہوئے، سہل سے مشکل کی تدریجی خوبی قرآن کا اسلوبِ خاص ہے۔ اس اصول کی بنیاد پر ربط سور بیان کرتے ہیں۔

"اس سورت میں ملائکہ، جنات اور ان کی عاجزی ثابت کی گئی ہے، تو یہ شفیع بن سکتے ہیں، پہلی سورت میں مطلقاشفاعت کی نفی کی گئی ہے، اور اس میں ترقی کی گئی ہے، اور جن پر اعتقاد تھا، کہ یہ ہمارے شفیع ہیں، ان کا حال بیان کیا گیا، کہ وہ تو خود عاجزی کر رہے ہیں، تو شفیع کس طرح ہوں گے۔"[27]

3)۔ سورت آئندہ ما قبل پر متفرع

بعض سورتیں بعض کے لئے اصول کی اور دیگر فرع کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(سورت النجم مکیہ)" اس سورت میں مقصود بالذات نفی شفاعت غالبہ کی ہے، اور یہ سابقہ سورت پر متفرع ہے، یعنی جب توحید علیٰ سبیل الکمال ثابت ہو گئی، تو بتلایا گیا، کہ کوئی شفیع غالب نہیں، نہ لات، نہ عزیٰ نہ منات اور نہ ملائکہ۔"[28]

اس نہج پر، اس طرز کے قواعد سے سورتوں کے ربط بیان فرمائے ہیں۔

ربط آیات کے اصول

سورتوں کی طرح آیات کے باہم ارتباط بھی، اسی طرز کے اصولوں سے بیان فرمائے ہیں۔ اس کے نمونے پیش خدمت ہیں۔

1)۔ آیت آئندہ بطور اعادہ ماسبق

بعض مضامین کے درمیان ضمنی مضامین آجانے جو انہی مضامین کے دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں، کے بعد مقصودِ اصلی مضمون کو دوہرا جاتا ہے، تاکہ قاری اس اصل مضمون کو دوبارہ ذہن نشین کرلے۔ اس لئے بعض آیات کی حیثیت اعادہ کی بنیاد پر ماسبق سے متناسب ہوتی ہے۔

"يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي(47) سے اعادہ کیا گیا، (آیت 40 کی طرف) اور غرض ترہیب ہے۔ اوراعادہ محض تخویف کے واسطے کیا گیا، وَٱتَّقُواْ يَوۡمًا سے لے کر وَلَا هُمۡ يُنصَرُونَ(48) تک تخویف ہے۔"[29]

2)۔ بطور تتمہ ما قبل

ایک مضمون کئی کئی آیات تک چلایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے بعض متاخرات آیات کا ربط تکملہ کی حیثیت سے بیان کیا جاتا ہے۔

"أَفَتَطۡمَعُونَ أَن يُؤۡمِنُواْ لَكُمۡ(75) ---فَأُوْلَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلنَّارِۖ هُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ (81) یہ (آیت 40 تا 46) کے مضمون موجودہ بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد کی پلیدیاں بیان کرنے کے بعد تتمہ لایا گیا ہے۔۔۔ حاصل یہ ہے، کہ بنی اسرائیل کلام کو سمجھ کر تحریف کرتے ہیں، اور

منافقوں کو کہتے ہیں، کہ تم اقرار بالرسول نہ کرو، تاکہ قیامت میں تم پر حجت نہ پکڑیں، اور یہ کہتے ہیں، کہ ہم چند دن آگ میں ڈالے جائیں گے۔ جن دنوں میں ہمارے آباؤواجداد نے بقرہ کی عبادت کی۔"[30]

3)۔بطور تتمہ ماقبل

"پھر نوع ثالث بیان کر کے اس کا تتمہ "أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشْتَرَوُاْ --- وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ تک بیان کیا گیا۔"[31]

4)۔بطور ترقی ماقبل

" وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَٰبٌ ---فَلَعْنَةُ ٱللَّهِ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ تک نوع خاص ہے، جس میں نوع رابع پر ترقی کی گئی ہے۔"[32]

5)۔بطور تمہید آیت ماقبل

"وَلَقَدْ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ءَايَٰتٍۭ بَيِّنَٰتٍۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ تک "وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ کے لئے تمہید ہے"[33]

6)۔آیت مابعد ثمرہ ماقبل

" وَإِذَا رَءَا ٱلَّذِينَ أَشْرَكُواْ(86) --- مَّا كَانُواْ يَفْتَرُونَ(87) میں يَوْمَ نَبْعَثُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا کا ثمرہ بیان کیا گیا۔یعنی جب قیامت میں ہر ایک امت سے شہید لائیں گے، اس وقت شرک کرنے والے اپنے معبودوں کو دیکھیں گے، کہ ہم ان کی عبادت کرتے تھے، اور وہ جواب میں کہیں گے، فَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ---اور یہ مشرک کاذب تھے، اب وہ اپنے رب کے سامنے عاجزی کریں گے۔"[34]

تفسیر بلغۃالحیران میں یہ اصول جگہ جگہ ربط میں مستعمل ہیں۔ ربط کے متلاشی جب آیات پر غور کرتے جائیں، تو کئی مزید اصول بھی سامنے لائے جاسکتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے تفسیری ادب میں تفسیر بلغۃالحیران ایک نمایاں مقام رکھتی ہے، جس کا منہج، مفسرؒ کے رجحانات اور نظم کے اصول لائق ستائش اور ان کی قرآن پر گہری نگاہ کے عکاس ہیں۔

دراصل مولانا حسین علیؒ کے اختیار کردہ اصولوں پر غور کرنے سے درج ذیل نکات مترشح ہوتے ہیں۔

1۔ قرآن مجید کے متن کی تقسیم باعتبار مضامین بھی وجود رکھتی ہے۔

2۔ بعض آیات مرکزی مضمون کی وجہ سے مانند سردار ہیں جنہیں مولانا دعویٰ سورۃ والی آیات سے موسوم کرتے ہیں۔

3۔ بعض آیات ان مذکورہ آیات کی تبع آیات ہیں جو ان دعویٰ والی آیات کی وضاحت کے لئے ہیں۔

4۔ بعض آیات ان آیات متقدمات کی تکمیل مضمون پر مبنی ہیں جنہیں مولانا آیات تمات قرار دیتے ہیں۔

5۔ بعض آیات اصل و فرع کے تعلق پر مبنی ہیں

6۔ سورتوں کے درمیان ربط بھی اسی نوعیت کے ہیں یعنی ایک سورہ کے دوسری سورہ سے مضامینی مماثلت۔

الحاصل تفسیر بلغۃالحیرآن نظم قرآن کی نمائندہ تفاسیر میں سے ایک اجل تفسیر ہے جو نظم قرآن کی دلچسپ مباحث پر مشتمل ہے۔ تفسیر مذکورہ مفسر مرحوم کے اجتہادی بصائر کی علمبردار ہے اور ان کے گہرے قرآنی مطالعہ کی عکاس ہے۔

حوالہ جات

[1]الوانی،زبیر، محمد، مولانا، تذکرہ اکابر، مکتبہ الوانی واں بھچراں،م2019، ص102۔104

[2]حوالہ مذکورہ، ص105

[3]حسین علی، مولانا، تحفہ ابراھمیہ، ترجمہ، صوفی عبدالحمید خان سواتی، ادارہ نشرواشاعت نصرۃالعلوم گوجرانوالہ، ط چہارم2009م، ص15

[4]مقدمہ بلغتہ الحیران۔ ص1

[5]فراہیدی، ابوعبدالرحمان، خلیل بن احمد، کتاب العین، دارو مکتبۃ ھلال۔6/156، الازھری، محمد بن احمد، تھذیب اللغۃ، داراحیاء التراث بیروت، لبان2001م ج،12، ص168

4۔المرسی، ابن سیدہ، علی بن اسماعیل، المحکم والمحیط الاعظم، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان،2000م،8/352، تحت مادہ ص والام والھمزہ، زمخشری، محمود بن عمر، جار اللہ، اساس[5]اللغۃ، دار لکتب العلمیہ، بیروت، لبنان،1998م،1/29، تحت اطر

[6][إبراھیم:24]

[7]الحموی، الفیومی، محمد بن علی، احمد بن محمد، المصباح المنیر، المکتبۃالعلمیہ بیروت، 1ج ص16، تحت مادۃء ص ل۔

[8]فیروزآبادی، محمد بن یعقوب، ابوطاہر، مجد الدین، القاموس المحیط، مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت–لبنان،2005م،1ج، ص961،

[9]الجوہری، اسماعیل بن حماد، ابونصر، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، دارالعلم للمابین، بیروت،1987م،

[10]القزوینی، احمد بن فارس، مجمل اللغۃ، موسسۃالرسالۃ بیروت،1986م، ج1 ص98،97

[11]اساس البلاغۃ، ج1 ص29، اطر

[12]مختار الصحاح، ج1 ص19، ا، ص، ل

[13]لوئس معلوف، (مترجم عبدالحفیظ بلیاوی) المنجد، مکتبہ قدوسیہ اردوبازار لاہور، س ن، ص44

[14] کیرانوی، وحید الزماں، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات لاہور، س، ن، ص126

[15]الجرجانی، علی بن محمد بن علی، کتاب التعریفات، دارالدیان للتراث، ص45

[16]تھانوی، محمد علی، موسوعہ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، مکتبہ لبنان ناشرون،1996ء، ص213،215

[17]الزحیلی، الدکتور، وحبہ، اصول الفقہ الاسلامی، دارالفکر، دمشق،1986ء، ص625

[18]زیدان، عبدالکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، موسسۃ قرطبۃ، طباعۃ نشر توزیع بیروت، س ن، ص8

[19]خالد عبدالرحمان، اصول التفسیر و قواعدہ، دارالنفائس بیروت لبنان،1986ء، ص30

[20]مقدمہ فی اصول التفسیر، ص06

[21]الفوز الکبیر، ص14

[22]عثمانی، تقی، مولانا، علوم القرآن، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ستمبر2010ء، ص327

[23][الزمر:23]

[24][الإسراء:41]

[25]تخوف کے معنی کا تعیّن حضرت عمر فاروق رض نے قبیلہ ہذیل کے آدمی سے اس شعر سے طے کیا۔

تخوف الرحل منھا تامکا قرادکما تخوف عود النبعۃ السفن (الموافقات للشاطبی2/88)

[26]بلغۃ الحیران، ج1، ص158

[27]ایضاً، ج2، ص229

[28]ایضاً، ج2، ص419

[29]بلغۃ الحیران ج1، ص184

[30]ایضاً، ج1، ص189

[31]ایضاً، ج1، ص190

[32]ایضاً ج1، ص191

[33]ایضاً، ج1، ص195

[34]بلغۃ الحیران، ج1، ص139